پھر مسکرا کر ہردول کو بڑا دے دیا۔ ہردول نے سر جھکا کر بیڑا لیا۔ اُسے ماتھے پر چڑھایا ایک بار حسرت ناک نگاہوں سے در و دیوار کو دیکھا اور بیڑے کو منہ میں رکھ لیا ایک سچے راجپوت نے مردانہ حمیت کا حق ادا کر دیا۔ مردانہ جانبازی نے اس سے بہتر داد کبھی نہیں پائی۔ زہر قاتل تھا۔ حلق کے نیچے اُترتے ہی ہردول کے چہرے پر مُردنی چھا گئی۔ اور آنکھوں کی چمک جاتی رہی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے نمودار ہو گئے۔ اور سانس تیزی سے چلنے لگی۔ مگر چہرے پر سکون اور اطمینان کی تصویر کھنچی ہوئی تھی۔

جھجھار سنگھ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلا۔ اُس کے چہرے پر ایک بیرحمانہ مسکراہٹ نمودار تھی۔ مگر آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ روشنی اور تاریکی کا ملاپ ہو گیا تھا۔

نمک کا داروغہ

(۱)

جب نمک کا محکمہ قائم ہوا۔ اور ایک خداداد نعمت سے فائدہ اُٹھانے کی عام ممانعت کر دی گئی، تو لوگ دروازہ صدر بند پا کر روزن و شگاف کی فکریں کرنے لگے۔ چاروں طرف خیانت اور غبن اور تحریص کا بازار گرم تھا۔ پٹوار گری کا معزز اور پُرمنفعت عہدہ چھوڑ چھوڑ کر لوگ صیغہ نمک کی برقندازی کرتے تھے۔ اور اس محکمے کا داروغہ تو وکیلوں کے لئے بھی رشک کا باعث تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم اور عیسائیت مترادف الفاظ تھے۔ فارسی کی تعلیم سند افتخار تھی۔ لوگ حسن اور عشق کی کہانیاں پڑھ پڑھ کر اعلیٰ ترین مدارج زندگی کے قابل ہو جاتے تھے۔ منشی بنسی دھر نے بھی زلیخا کی داستان ختم کی اور مجنوں و فرہاد کے قصے کو دریافت امریکہ یا جنگ نیل سے عظیم تر واقعہ خیال کرتے ہوئے روزگار کی تلاش میں نکلے۔ ان کے باپ ایک جہاں دیدہ بزرگ تھے سمجھانے لگے۔ بیٹا! گھر کی حالت زار دیکھ رہے ہو۔ قرضے سے گردنیں دبی ہوئی ہیں۔ لڑکیاں ہیں۔ وہ گنگا جمنا کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ میں کگارے کا درخت ہوں۔ نہ معلوم کب گر پڑوں۔ تمہیں گھر کے مالک و مختار ہو۔ مشاہرے اور عہدے کا مطلق خیال نہ کرنا۔ یہ تو پیر کا مزار ہے۔ نگاہ چڑھاوے اور چادر پر رکھنی چاہئے۔ ایسا کام ڈھونڈنا جہاں کچھ بالائی رقم کی آمد ہو۔ ماہوار مشاہرہ پورنماشی کا چاند ہے جو ایک دن دکھائی دیتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے غائب ہو جاتا ہے۔ بالائی رقم پانی کا بہتا ہوا سوتا ہے۔ جس سے پیاس بجھتی ہے۔ مشاہرہ انسان دیتا ہے۔ اسی لئے

کہا کرتے تھے کہ دنیا کا ذکر ہی کیا، دولت کا سکّہ بہشت میں بھی رائج ہے اور اُن کا یہ قول بہت صحیح تھا۔ قانون اور حق و انصاف یہ سب دولت کے کھلونے ہیں، جن سے وہ حسبِ ضرورت اپنا جی بہلایا کرتی ہے۔ لیٹے لیٹے امیرانہ بے پروائی سے بولے۔ "اچھا چلو ہم آتے ہیں۔" یہ کہہ کر پنڈت جی نے بہت اطمینان سے پان کے بیڑے لگائے اور تب لحاف اوڑھے ہوئے داروغہ جی کے پاس آ کر بے تکلفانہ انداز سے بولے۔ "بابو جی آشیرباد، ہم سے ایسی کیا خطا ہوئی کہ گاڑیاں روک دی گئیں۔ ہم برہمنوں پر تو آپ کی نظرِ عنایت ہی رہنی چاہیئے۔"

بنسی دھر نے الوپی دین کو پہچانا۔ بے اعتنائی سے بولے۔ "سرکاری حکم۔"

الوپی دین نے ہنس کر کہا۔ "ہم سرکاری حکم کو نہیں جانتے اور نہ سرکار کو۔ ہمارے سرکار تو آپ ہی ہیں۔ ہمارا اور آپ کا تو گھر کا معاملہ ہے، کبھی آپ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ آپ کا تو گھر کا معاملہ ہے، کبھی آپ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ آپ نے ناحق تکلیف کی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ادھر سے جائیں اور اس گھاٹ کے دیوتا کو بھینٹ نہ چڑھائیں۔ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔"

بنسی دھر پر دولت کی ان شیریں زبانیوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ دیانتداری کا تازہ جوش تھا، کڑک کر بولے۔ "ہم ان نمک حراموں میں نہیں ہیں، جو کوڑیوں پر اپنا ایمان بیچتے پھرتے ہیں۔ آپ اس وقت حراست میں ہیں۔ صبح کو آپ کا باقاعدہ چالان ہوگا۔ بس مجھے زیادہ باتوں کی فرصت نہیں ہے۔ جمعدار بدلو سنگھ! تم انہیں حراست میں لے لو، میں حکم دیتا ہوں۔"

پنڈت الوپی دین اور اس کے ہوا خواہوں اور گاڑیبانوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ یہ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ پنڈت جی کو ایسی ناگوار باتوں کے سننے کا اتفاق ہوا۔ بدلو سنگھ آگے بڑھا۔ لیکن فرطِ رعب سے ہمت نہ پڑی کہ ان کا ہاتھ پکڑ سکے۔ الوپی دین نے بھی فرض کو دولت سے ایسا بے نیاز اور ایسا بے غرض کبھی نہیں پایا تھا۔ سکتے میں آ گئے۔

خیال کیا کہ یہ ابھی طفلِ مکتب ہے، دولت کے ناز و انداز سے مانوس نہیں ہوا، الھڑ ہے، جھجکتا ہے، زیادہ ناز برداری کی ضرورت ہے۔ بہت منکرانہ انداز سے بولے۔ "بابو صاحب! ایسا ظلم نہ کیجئے، ہم مٹ جائیں گے، عزت خاک میں مل جائے گی۔ آخر آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ بہت ہوا تو تھوڑا سا انعام و اکرام مل جائے گا۔ ہم کسی طرح آپ سے باہر تھوڑا ہی ہیں۔"

بنسی دھر نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم ایسی باتیں سننا نہیں چاہتے۔"

الوپی دین نے جس سہارے کو چٹان سمجھ رکھا تھا، وہ پاؤں کے نیچے سے کھسکتا ہوا معلوم ہوا۔ اعتمادِ نفس اور غرورِ دولت کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن ابھی تک دولت کی تعدادی قوت کا پورا بھروسہ تھا۔ اپنے مختار سے بولے۔ "لالہ جی! ایک ہزار روپیہ کا نوٹ بابو صاحب کی نذر کرو۔ آپ اس وقت بھوکے شیر ہو رہے ہیں۔"

بنسی دھر نے گرم ہو کر کہا۔ "ایک ہزار نہیں مجھے ایک لاکھ بھی فرض کے راستے سے نہیں ہٹا سکتا۔" دولت فرض کی اس خام کارانہ جسارت اور اس زاہدانہ نفس کشی پر جھنجھلائی اور اب ان دونوں طاقتوں کے درمیان بڑے معرکے کی کشمکش شروع ہوئی۔ دولت نے پیچ و تاب کھا کھا کر مایوسانہ جوش کے ساتھ کئی حملے کئے۔ ایک سے پانچ ہزار تک، پانچ سے دس، دس سے پندرہ اور پندرہ سے بیس ہزار تک نوبت پہنچی۔ لیکن فرض مردانہ ہمت کے ساتھ اس سپاہِ عظیم کے مقابلہ میں یکّہ و تنہا پہاڑ کی طرح اٹل کھڑا تھا۔

الوپی دین مایوسانہ انداز سے بولے۔ "اس سے زیادہ میری ہمت نہیں۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔" بنسی دھر نے اپنے جمعدار کو للکارا۔ بدلو سنگھ دل میں داروغہ جی کو گالیاں دیتا ہوا الوپی دین کی طرف بڑھا۔ پنڈت جی گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اور نہایت منت آمیز بے کسی کے ساتھ بولے۔ "بابو صاحب! ایشور کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔ پچیس ہزار پر معاملہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"غیر ممکن۔"

"تیس ہزار پر۔"

"غیر ممکن۔"

"کیا چالیس ہزار بھی ممکن نہیں۔"

"چالیس ہزار نہیں چالیس لاکھ پر بھی غیر ممکن۔ بدلو سنگھ! اس شخص کو فوراً حراست میں لے لو۔ اب میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا۔"

فرض نے دولت کو پاؤں تلے کچل ڈالا۔ الوپی دین نے ایک تنومند جوان کو ہتھکڑیاں لئے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا۔ چاروں طرف مایوسانہ نگاہیں ڈالیں اور تب غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔

(۴)

دنیا سوتی تھی، مگر دنیا کی زبان جاگتی تھی۔ صبح ہوئی تو یہ واقعہ بچے بچے کی زبان پر تھا۔ اور ہر گلی کوچے سے ملامت اور تحقیر کی صدائیں آتی تھیں۔ گویا دنیا میں اب گناہ کا وجود نہیں رہا۔ پانی کو دودھ کے نام سے بیچنے والا گوالا، فرضی روزنامچے بھرنے والے حکام سرکار۔ ٹکٹ کے بغیر ریل پر سفر کرنے والے بابو صاحبان اور جعلی دستاویزیں بنانے والے سیٹھ اور ساہوکار یہ سب اس وقت پارساؤں کی طرح گردنیں ہلاتے تھے اور جب دوسرے دن پنڈت الوپی دین کا مواخذہ ہوا۔ اور وہ کانسٹیبلوں کے ساتھ شرم سے گردن جھکائے ہوئے عدالت کی طرف چلے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، دل میں غصہ و غم، تو سارے شہر میں ہلچل سی مچ گئی۔ میلوں میں بھی شاید شوقِ نظارہ ایسی امنگ پر نہ آتا ہو۔ کثرتِ ہجوم سے سقف و دیوار میں تمیز کرنا مشکل تھا۔

مگر عدالت میں پہنچنے کی دیر تھی۔ پنڈت الوپی دین اس قلزم ناپیدا کنار کے نہنگ تھے۔ حکام ان کے قدر شناس، عملے ان کے نیاز مند، وکیل اور مختار ان کے ناز بردار

اور اردلی، چپڑاسی اور چوکیدار تو ان کے درم خریدہ غلام تھے۔ انہیں دیکھتے ہی چاروں طرف سے لوگ دوڑے۔ ہر شخص حیرت سے انگشت بدنداں تھا۔ اس لئے نہیں کہ الوپی دین نے کیوں ایسا فعل کیا، بلکہ وہ کیوں قانون کے پنجے میں آئے۔ ایسا شخص جس کے پاس محال کو ممکن کرنے والی دولت اور دیوتاؤں پر جادو ڈالنے والی چرب زبانی ہو، کیوں قانون کا شکار بنے۔ حیرت کے بعد ہمدردی کے اظہار ہونے لگے۔ فوراً اس حملے کو روکنے کے لئے وکیلوں کا ایک دستہ تیار کیا گیا۔ اور انصاف کے میدان میں فرض اور دولت کی باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ بنسی دھر خاموش کھڑے تھے، یکہ و تنہا۔ سچائی کے سوا اور کچھ پاس نہیں، صاف بیانی کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں۔ استغاثہ کی شہادتیں ضرور تھیں لیکن ترغیبات سے ڈانوا ڈول تھے۔ گو انصاف بھی کچھ ان کی طرف سے کھچا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ ضرور صحیح ہے کہ انصاف سیم و زر سے بے نیاز ہے۔ لیکن پردے میں وہ اشتیاق ہے جو ظہور میں ممکن نہیں۔ دعوت اور تحفے کے پردے میں بیٹھ کر دولت زاہد فریب بن جاتی ہے۔ وہ عدالت کا دربار تھا۔ لیکن اس کے ارکان پر دولت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ مقدمہ بہت جلد فیصل ہو گیا۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے تجویز لکھی۔ پنڈت الوپی دین کے خلاف شہادت نہایت کمزور ہے۔ وہ ایک صاحب ثروت رئیس ہیں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ وہ محض چند ہزار کے فائدے کے لئے ایسی کمینہ حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ داروغہ صاحب نمک منشی بنسی دھر پر اگر زیادہ سنگین نہیں تو ایک افسوسناک غلطی اور خام کاری اور سرگرمی کا الزام ضرور عائد ہوتا ہے۔

ہم خوش ہیں کہ وہ ایک فرض شناس نوجوان ہے۔ لیکن صیغہ نمک کی اعتدال سے بڑھی ہوئی نمک حلالی نے اس کے امتیاز و ادراک کو مغلوب کر دیا۔ اسے آئندہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ وکیلوں نے یہ تجویز سنی اور اچھل پڑے۔ پنڈت الوپی دین مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ حوالیوں نے روپے برسائے۔ سخاوت اور فراخ حوصلگی کا سیلاب آ گیا اور اس کی لہروں

نے عدالت کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ جب بنسی دھر عدالت سے باہر نکلے نگاہیں غرور سے لبریز تو طعن اور تمسخر کے آوازے چاروں طرف سے آنے لگے۔ چپراسیوں اور برقندازوں نے جھک کر سلام کئے۔ لیکن ایک ایک اشارہ اس وقت اس نشۂ غرور پر ہوائے سرد کا کام کر رہا تھا۔ شاید مقدمے میں کامیاب ہو کر وہ شخص اس طرح اکڑتا ہوا نہ چلتا۔ دنیا نے اُسے پہلا سبق دے دیا تھا۔ انصاف علم اور پنج حرفی خطابات اور لمبی داڑھیاں اور ڈھیلے ڈھالے چغے ایک بھی حقیقی عزت کے مستحق نہیں۔

(۵)

لیکن بنسی دھر نے ثروت اور رسوخ سے بَیر مول لیا تھا۔ اس کی قیمت دینی واجب تھی۔ مشکل سے ایک ہفتہ گذرا ہوگا، کہ معطلی کا پروانہ آ پہنچا۔ فرض شناسی کی سزا مل بے چارے دل شکستہ اور پریشان حال اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ بوڑھے منشی جی پہلے ہی سے بدظن ہو رہے تھے، کہ چلتے چلتے سمجھایا تھا۔ مگر اس لڑکے نے ایک نہ سنی۔ ہم تو کلوار اور بوچڑ کے تقاضے سہیں، بڑھاپے میں بھگت بن کر بیٹھیں اور وہاں بس وہی سوکھی تنخواہ۔ آخر ہم نے بھی نوکری کی ہے۔ اور کوئی عہدہ دار نہیں تھے۔ لیکن جو کام کیا دل کھول کر کیا۔ اور آپ دیانتدار بننے چلے ہیں گھر میں چاہے اندھیرا رہے مسجد میں ضرور چراغ جلائیں گے۔ حیف ایسی سمجھ پر پڑھانا لکھانا سب اکارت گیا۔ اسی اثنا میں بنسی دھر خستہ حال مکان پر پہنچے اور بوڑھے منشی جی نے یہ روداد سنی تو سر پیٹ لیا۔ اور بولے جی چاہتا ہے کہ اپنا اور تمہارا سر پھوڑ لوں۔ بہت دیر تک پچھتاتے اور کف افسوس ملتے رہے۔ غصے میں کچھ سخت سست بھی کہا۔ اور بنسی دھر اگر وہاں سے ٹل نہ جائیں تو عجب نہیں تھا، کہ یہ غصہ عملی صورت اختیار کر لیتا۔ بوڑھی اماں کو بھی صدمہ ہوا۔ جگن ناتھ اور رامیشور کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور بیوی نے تو کئی دن تک سیدھے منہ سے بات نہیں کی۔

اس طرح اپنے یگانوں کی ترش روئی اور بیگانوں کی دلدوز ہمدردیاں سہتے سہتے

ایک ہفتہ گذر گیا۔ شام کا وقت تھا۔ بوڑھے منشی رام نام کی مالا پھیر رہے تھے کہ اُن کے دروازے پر ایک سجا ہوا رتھ آ کر رکا۔ سبز اور گلابی پردے۔ پچھائیں نسل کے بیل، اُن کی گردنوں میں نیلے دھاگے۔ سینگ پیتل سے منڈھے ہوئے۔ منشی جی پیشوائی کو دوڑے دیکھا تو پنڈت الوپی دین ہیں۔ جھک کر ڈنڈوت کی اور مدبرانہ دُرافشانیاں شروع کیں آپ کو کون سا منہ دکھائیں۔ منہ میں کالک لگی ہوئی ہے۔ مگر کیا کریں۔ لڑکا نالائق ہے ناخلف ہے۔ ورنہ آپ سے کیوں منہ چھپاتے۔ ایشور بے چراغ رکھے۔ مگر ایسی اولاد نہ دے۔ بنسی دھر نے الوپی دین کو دیکھا مصافحہ کیا۔ لیکن شان خودداری لئے ہوئے فوراً گمان ہوا کہ یہ حضرت مجھے جلانے آئے ہیں۔ زبان شرمندۂ معذرت نہیں ہوئی اپنے والد بزرگوار کا خلوص روا سخت ناگوار گذرا۔ یکایک پنڈت جی نے قطع کلام کیا۔ "نہیں بھائی صاحب! ایسا نہ فرمائیے۔"

بوڑھے منشی جی کی قیافہ شناسی نے جواب دے دیا۔ انداز حیرت سے بولے "ایسی اولاد کو اور کیا کہوں۔" الوپی دین نے کسی قدر جوش سے کہا "فخر خاندان اور بزرگوں کا نام روشن کرنے والا ایسا سپوت لڑکا پا کر آپ کو پرماتما کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ دنیا میں ایسے کتنے انسان ہیں، جو دیانت پر اپنا سب کچھ نثار کرنے پر تیار ہوں۔ داروغہ جی! اسے زمانہ سازی نہ سمجھئے۔ زمانہ سازی کے لئے مجھے یہاں تک تکلیف کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اُس رات کو آپ نے مجھے حکومت کے زور سے حراست میں لیا تھا۔ آج میں خود بخود آپ کی حراست میں آیا ہوں۔ میں نے ہزاروں رئیس اور امیر دیکھے ہزاروں عالی مرتبہ حکام سے سابقہ پڑا۔ لیکن مجھے زیر کیا، تو آپ نے۔ میں نے سب کو اپنا اور اپنی دولت کا غلام بنا کر چھوڑ دیا۔ مجھے اجازت ہے کہ آپ سے کوئی سوال کروں؟"

بنسی دھر کو ان باتوں میں کچھ خلوص کی بو آئی۔ پنڈت جی کے چہرے کی طرف اُچٹتی ہوئی مگر تلاش کی نگاہ سے دیکھا۔ صداقت کی گاڑھی گاڑھی جھلک نظر آئی۔ غرور نے

ندامت کو راہ دی۔ شرماتے ہوئے بولے "یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے، فرض نے مجھے آپ کی شان میں بے ادبی کرنے پر مجبور کیا۔ ورنہ میں تو آپ کی خاک پا ہوں۔ جو آپ کا ارشاد ہوگا، بحد امکان اس کی تعمیل سے انکار نہ کروں گا۔"

الوپی دین نے التجا آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "دریا کے کنارے آپ نے میرا سوال رد کر دیا تھا۔ لیکن یہ سوال آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔"

بنسی دھر نے جواب دیا "میں کس قابل ہوں۔ لیکن مجھ سے جو کچھ ناچیز خدمت ہو سکے گی، اس میں دریغ نہ کروں گا۔"

الوپی دین نے ایک قانونی تحریر نکالی اور اسے بنسی دھر کے سامنے رکھ کر بولے "اس مختارنامے کو ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس پر دستخط کیجئے۔ میں برہمن ہوں، جب تک یہ سوال پورا نہ کیجئے گا، دروازے سے نہ ٹلوں گا۔"

منشی بنسی دھر نے مختارنامے کو پڑھا، تو شکریہ کے آنسو آنکھوں میں بھر آئے۔ پنڈت الوپی دین نے انہیں اپنی ساری ملکیت کا مختیار عام قرار دیا تھا۔ چھ ہزار سالانہ تنخواہ جیب خاص کے لئے، روزانہ خرچ الگ، سواری کے لئے گھوڑے، اختیارات غیر محدود۔ کانپتی ہوئی آواز سے بولے "پنڈت جی، میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں، کہ آپ نے مجھے ان عنایات بیکراں کے قابل سمجھا۔ لیکن میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ میں اتنے اعلیٰ عہدے کے قابل نہیں ہوں۔"

الوپی دین ہنس کر بولے۔ "اپنے منہ سے اپنی تعریف نہ کیجئے۔"

بنسی دھر نے متین انداز سے کہا، یوں میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ جیسے نورانی اوصاف بزرگ کی خدمت کرنا میرے لئے فخر کی بات ہے۔ لیکن مجھ میں نہ علم ہے، نہ فراست نہ تجربہ ہے، جو ان خامیوں پر پردہ ڈال سکے، ایسی معزز خدمات کے لئے ایک بڑے معاملہ فہم اور کارکردہ منشی کی ضرورت ہے۔

الوپی دین نے قلمدان سے قلم نکالا۔ اور بنسی دھر کے ہاتھ میں دے کر بولے۔ "مجھے نہ علم کی ضرورت ہے، نہ فراست کی، نہ کارکردگی کی، اور نہ معاملہ فہمی کی۔ ان سنگ ریزوں کے جوہر میں بارہا پرکھ چکا ہوں، اب حسن تقدیر اور حسن اتفاق نے مجھے وہ بے بہا موتی دے دیا ہے، جس کی آب کے سامنے علم اور فراست کی چمک کوئی چیز نہیں۔ یہ قلم حاضر ہے۔ زیادہ تامل نہ کیجئے، اس پر آہستہ سے دستخط کیجئے۔ میرے پرماتما سے یہی التجا ہے کہ آپ کو سدا ندی کے کنارے والا بے مروت سخت زبان، تند مزاج لیکن فرض شناس داروغہ بنائے رکھے۔"

بنسی دھر کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ دل کے تنگ ظرف میں اتنا احسان نہ سما سکا۔ پنڈت الوپی دین کی طرف ایک بار پھر عقیدت اور پرستش کی نگاہ سے دیکھا۔ اور مختارنامے پر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دستخط کر دیئے۔ الوپی دین فرط مسرت سے اچھل پڑے اور انہیں گلے لگا لیا۔